© rasailojaraid.com

آپ یہ کوشش کیوں نہیں کرتے کہ بزور شمشیر حکومت بڑے لوگوں سے چھین کر نیک لوگوں کے حوالے کر دیں۔ یا عوام کو ڈنڈے کے زور سے ٹھیک کر دیں۔

۱۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس آزمایش کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ سے صحیح راہ اختیار کرے۔ اس لیے ڈنڈے سے سمجھانے کا فلسفہ دین میں کوئی مقام نہیں رکھتا۔ ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہدایت خلق کے لیے انبیا و رُسل نہیں، جنرل اور فیلڈ مارشل مبعوث کرتا۔

۲۔ شمشیر کے ذریعہ انقلاب لانے کے لیے کچھ شرعی شرائط ہیں۔ جب تک وہ پوری نہ ہوں، اس کے استعمال کی گنجایش نہیں۔ مقصد ایک فاسد نظام کو نظامِ حق سے بدلنا ہے نہ کہ فساد میں اضافہ اور خون ریزی۔

شمشیر کون چلائے گا، اور چلانے والوں کا حامی و مددگار کون ہو گا؟ وہی عوام جو آپ کی رائے میں خود اپنی اصلاح کے لیے ڈنڈے کے محتاج ہیں؟

۱۔ جماعت اسلامی الیکشن میں حصہ لیتی ہے، اس طریقِ کار کے حق میں آپ کیا دلائل دیں گے۔ دوسرے طریقے جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمد پیش کرتے ہیں، ان پر آپ کا کیا تجزیہ ہے۔

۲۔ الیکشن پر لگنے والی رقم دعوتی کام اور لٹریچر کی تقسیم پر لگائی جائے تو کیا بہتر نہ ہو گا۔

۳۔ مولانا مودودیؒ نے کہا تھا کہ ہنگامی نظام جب تک نہ ہو گا، الیکشن سے فائدہ نہ ہو گا۔ کیا یہ نظام اب ہے جو جماعت الیکشن میں حصہ لیتی ہے۔

۴۔ جماعت کبھی سیکولر جماعتوں سے اتحاد کر لیتی ہے، اور کبھی نہیں کرتی۔ کبھی عورت (فاطمہ جناح) کا ساتھ دیتی ہے، کبھی اس کی حکمرانی کا عدم جواز پیش کرتی ہے۔ سیاسی روش میں یکسانیت نہیں پائی جاتی؟

۵۔ جماعت کا دعوتی پہلو کمزور محسوس ہوتا ہے، دعوت پہنچانے کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔

۱۔ الیکشن میں حصہ لینا مستقل طریقِ کار نہیں، ایک تدبیر اور حکمتِ عملی ہے۔ طریقِ کار تو ایک ہی ہے، جس کی طرف قرآن مجید نے رہنمائی فرمائی ہے اور جسے انبیا کا طریقِ کار کہا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ انسانوں کو بدلا جائے۔ اور انسانوں کو مجتمع کر کے، ان کو قوت بنا کے، ان کے ذریعے زمامِ کار، نظام اور معاشرہ کو بدلا جائے، تاکہ اللہ کا کلمہ غالب ہو اور اس کا دین قائم ہو۔ دعوت و تبلیغ کے طریقے و تدابیر اور حکمتِ عملی کی صورتیں حالات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں، اور زمامِ کار اور نظام بدلنے کی تدابیر و حکمتِ عملی بھی۔ میرا خیال ہے کہ اس بنیاد پر سب کو اتفاق ہو گا، خواہ کوئی انتخابات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصہ لینے کے حق میں ہو یا خلاف۔

زمامِ کار کی تبدیلی کے لیے جو تدبیر اور حکمتِ عملی بھی اختیار کی جائے اس کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو منع نہ کیا ہو۔ دوسری یہ کہ اس سے حصولِ مقصد ممکن نظر آتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ دعوت و تبلیغ ہی سے، جن کے ہاتھ میں زمامِ کار ہے وہ خود بدل جائیں۔۔۔ مثلاً، جیسا مدینہ کے انصار کے معاملہ میں ہوا، یا نبی کریمؐ کے خطوط کے نتیجے میں۔ ہو سکتا ہے کہ معاشرہ کی اتنی بڑی تعداد بدل جائے کہ زمامِ کار جن کے ہاتھ میں ہو، وہ انھیں چھوڑتے ہی بنے۔ ممکن ہے ان کے ساتھ پُرامن کشمکش ہو، مسلح جدوجہد ہو، باہر سے جنگ کی جائے، لوگ سڑکوں پر نکل آئیں۔ لوگ سول مزاحمت کریں، وہ ہتھیار سنبھال لیں، یا ممکن ہے وہ بیلٹ بکس میں ووٹ ڈال کر تبدیلی لے آئیں۔ بالآخر تدبیر اور حکمتِ عملی (Stretegy) کیا ہو گی، اس کا انحصار حالات پر ہے۔

اس لحاظ سے اگر آج کے معاشرہ میں انتخابات کے ذریعہ تبدیلی آ سکتی ہو، تو اس تدبیر کو اختیار کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی قباحت نہیں، بلکہ اس پر کوئی اصولی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ بے شک انتخابات کے طریقے میں خرابیاں ہیں اور خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے، لیکن ایسی خرابیاں اسی درجہ میں پُرامن مزاحمت یا مسلح جدوجہد میں بھی پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ خرابیاں تدابیر سے زیادہ انسانوں میں ہوتی ہیں۔ بادشاہ، جہاد فی سبیل اللہ کو لوٹ مار اور اپنی بادشاہی کے قیام کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے جہاد کا طریقہ غلط نہیں ہو جائے گا۔

جو لوگ انتخابات کو فی نفسہٖ غلط طریقہ قرار دے رہے ہیں، وہ اگر کبھی اس قابل ہو جائیں کہ معاشرہ ان کے ساتھ ہو اور وہ اس طریقہ سے پُرامن تبدیلی لا سکیں، تو کیا وہ اس طریقہ کو استعمال نہیں کریں گے؟ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ جب کوئی دعوت، پارٹی، یا شخصیت قبولیت عامہ حاصل کر لیتی ہے تو دھن، دولت، جاگیرداری سب دھرے رہ جاتے ہیں، اور عوام الناس اپنی پسند کے نمایندے منتخب کر لیتے ہیں۔ انتخابات میں فتح صرف دھن و دولت پر منحصر نہیں۔ آخر ایک سیٹ پر بے تحاشا دولت خرچ کرنے والے، جاگیردار اور سرمایہ دار ایک سے زیادہ ہوتے ہیں، اور ایک کے علاوہ سب ہارتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اپنی دعوت و تبلیغ سے قبولیت عامہ حاصل کرنے میں ناکامی کا الزام ہم انتخابات کے طریقۂ کار کے سر منڈھ کر خود کو بری الذمہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کچھ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، والا معاملہ ہے۔ انتخاب ایک ذریعہ (tool) ہے، نااہل کاریگر اپنے اوزاروں ہی سے لڑتا رہتا ہے۔

۲۔ یہ ضروری ہے کہ اپنے وسائل خرچ کرتے ہوئے ہم بہتر نتائج کا حصول پیشِ نظر رکھیں، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متبادل مصارف میں سے وہ مصرف اختیار کریں جس سے زیادہ نفع کی امید ہو۔ لیکن انتخاب بھی ایک دعوتی عمل ہے۔ اس قسم کے سماجی کاموں میں، وہ انتخاب ہو یا تقسیم لٹریچر، نفع کو ناپنا اتنا آسان نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے کہ یہی وسائل اگر تقسیم لٹریچر پر لگا دیے جاتے تو زیادہ کارگر ہوتے۔ ہو سکتا ہے کہ لاکھوں روپے کا لٹریچر تقسیم ہو، اور کوئی قائل نہ ہو، ساڑھے نو سو سال دعوت کا کام ہو اور تھوڑے لوگ ایمان لائیں۔ اس میدان میں ناپنے تولنے کے پیمانے کچھ اور ہی ہیں۔

۳۔ پنچایتی نظام تو جماعت کا اپنا وضع کردہ طریق کار تھا، اپنے نمائندے منتخب کرنے کا۔ یہ الیکشن کے نظام کا حصہ نہ اس وقت تھا، نہ اب ہے۔ اس میں فوائد بھی ہیں، اور نقصان بھی۔ اب جماعت کا اپنا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے سارے کارکنوں سے رائے لیتی ہے (جو ایک محدود پیمانہ پر پنچایت ہی ہے) اور آخری فیصلہ مرکزی پارلیمانی بورڈ کرتا ہے۔

۴۔ آپ دو چیزوں کا فرق ملحوظ رکھیں تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آسکے گی کہ جماعت کے مختلف اقدامات اور فیصلوں میں فرق کسی تضاد یا عدم یکسانیت کا نتیجہ نہیں۔ ایک ہیں اصول، مستقل طریق کار اور پالیسی، دوسرے ہیں ایکے عملی انطباق کے لیے تدابیر اور صورتیں۔ دوسری چیز کا انحصار کلیتاً، حالات، اور مصالح پر ہوگا۔ کبھی صلح کی جاسکتی ہے کبھی جنگ۔ کبھی سزا دی جاسکتی ہے کبھی معافی، کبھی اتحاد ہو سکتا ہے کبھی صف آرائی۔۔۔ بدر کے میدان میں سردارانِ قریش کو تہ تیغ کیا گیا، اور خون ریزی کے بغیر قیدی بنانے کو بھی پسند نہیں کیا گیا۔ پھر صلح حدیبیہ ہوئی، فتح مکہ کے موقع پر عفوِ عام کا اعلان ہوا، اور برسوں کے جانی دشمنوں کو داد و دہش سے نوازا گیا۔ یہودیوں کو پہلے ایک ملّت کا حصہ بنایا گیا، پھر کسی کو جلا وطن کیا گیا اور کسی کو قتل، پھر خیبر میں ان کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔ پھر ان کو جزیرہ العرب سے باہر نکال دیا گیا۔ سیاست اور جنگ میں یہ نہیں ہو سکتا، کہ جس سے دشمنی ہو اس سے ہمیشہ دشمنی رہے، جو ایک دفعہ حلیف بن جائے پھر وہ کبھی حریف نہ بنے۔ جماعت کے سارے فیصلے تدبیر و حکمتِ عملی کے دائرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بارہ میں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ بحیثیت تدبیر صحیح نہ تھے، لیکن وہ کسی تناقض کا مظہر نہیں

۵۔ دعوت کا کام ایسا کام ہے جس کے بارہ میں کبھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس پیمانہ پر ہو رہا ہے کہ اس کا حق ادا ہو رہا ہے۔ اس لیے دعوت کے کام میں کوتاہی اور کمی کا احساس ہمیں روزِ اوّل سے رہا ہے۔ پھر ایک کوتاہی تو اس لحاظ سے ہوتی ہے کہ ہم آئیڈیل سے کتنے دُور ہیں۔ اس لحاظ سے ہم ہمیشہ ہی پیچھے رہیں گے۔ ایک کوتاہی اس لحاظ سے کہ عملاً جو کچھ کر سکتے ہیں وہ نہیں کر رہے۔ ہم خود اس لحاظ سے بھی ہمیشہ اپنی کوتاہی کے معترف رہے ہیں۔ لیکن آج کل، مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں،

© rasailojaraid.com